Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

A Historical and Methodological Analysis of Isolated Opinions (Tafarrudāt) and Anomalous Views (Aqwāl Shādhdhah) in Contemporary Fiqhi Perspective

معاصر فقہی تناظر میں تفردات اور اقوال شاذہ کا تاریخی واصولی جائزہ

Najeeb Ullah
Ph.D Scholar, Teaching Associate,
Department of Islamic Learning
University of Karachi
Cell:+92305-1672436
Email: najeebkhan844@gmail.com
Shahzaib Khan
Ph.D Scholar,
Department of Islamic Learning, University of Karachi
Email:muftishahzaibk@gmail.com
Sayed Noor Ullah Shah
PhD Research Scholar, Visiting Lecturer
Dept. of Islamic Learning, University of Karachi
Visiting Lecturer Salim Habib University
Email: noorullahsherazi34@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0009-0006-4916-1149

Abstract
Islamic jurisprudence has historically accommodated scholarly diversity and interpretive differences, resulting in a rich tradition of juristic opinions and legal reasoning. Among these are Tafarrudat (individual or distinctive juristic opinions) and Aqwal Shadhdhah (rare, anomalous, or unconventional juristic opinions), which have remained significant subjects of discussion in Islamic legal theory. This study examines the historical development and methodological foundations of these concepts, with particular emphasis on their relevance to contemporary Islamic jurisprudence. It explores the distinction between legitimate juristic independence and anomalous legal positions, highlighting the role of evidentiary strength, principles of Usul al-Fiqh, scholarly authority, and the established methodologies of Islamic legal schools in evaluating such opinions. The study also investigates how individual juristic positions have emerged throughout Islamic legal history, the circumstances that contributed to their acceptance or rejection, and the criteria employed by classical jurists in identifying and assessing anomalous opinions. Furthermore, it critically examines the contemporary tendency to invoke isolated and unconventional juristic views in addressing modern legal, social, and religious issues. Employing a historical, analytical, and descriptive methodology, the research aims to establish a balanced framework for understanding and evaluating Tafarrudat and Aqwal Shadhdhah in light of classical juristic principles and contemporary challenges. The study argues that neither every individual juristic opinion can be classified as anomalous nor can every

unconventional position be considered a valid basis for contemporary legal practice without rigorous examination of its textual evidence and methodological foundations.

Keywords: *Tafarrudat, Aqwal Shadhdhah, Islamic Jurisprudence, Usul al-Fiqh, Juristic Differences, Contemporary Fiqh, Legal Methodology.*

موضوع کا تعارف

اسلامی فقہ کی تاریخ میں اجتہادی اختلاف اور تنوعِ آراء ایک مسلمہ علمی حقیقت ہے۔ ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام نے نصوصِ شرعیہ کے فہم اور استنباطِ احکام میں مختلف علمی و اصولی مناہج اختیار کیے، جن کے نتیجے میں متعدد منفرد فقہی آراء اور اجتہادی تفردات سامنے آئے۔ ان میں بعض آراء کو علمی پذیرائی حاصل ہوئی، جب کہ بعض کو اصولی و استدلالی بنیادوں پر اقوالِ شاذہ قرار دیا گیا۔

عصرِ حاضر میں جدید فقہی مسائل کے حل کے لیے انفرادی اور غیر معروف فقہی آراء سے استفادے کا رجحان بڑھ رہا ہے، جس سے ان اقوال کی شرعی حیثیت، اصولی حدود اور قابلِ عمل ہونے کے معیارات پر بحث کی ضرورت پیدا ہوئی ہے۔

زیرِ نظر تحقیق میں تفردات اور اقوالِ شاذہ کے تاریخی ارتقاء، ان کے مفہومی و اصولی فرق اور فقہی ذخیرے میں ان کی حیثیت کا جائزہ لیا جائے گا۔ نیز کلاسیکی فقہی مناہج اور معاصر رجحانات کے تجزیے کے ذریعے یہ واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ کن اصولی معیارات کی روشنی میں کسی منفرد فقہی رائے کو قبول یا رد کیا جا سکتا ہے، تاکہ معاصر فقہی مسائل میں ان آراء سے استفادے کے لیے ایک متوازن علمی و اصولی معیار متعین کیا جا سکے۔

تفرد کا تعارف

اسلام کی ایک مسلمہ خوبی اور کمال وسعت نظر اور تدبر و فکر کا فروغ ہے۔ چونکہ زمانہ کے تغیر پذیر حالات میں وضع حرج ضرورت و حاجت، استحسان اور مصالح مرسلہ کی بنیاد پر فکر و نظر کی کشادہ راہوں میں نظریاتی و نظری اختلاف کا پایا جانا ایک بدیہی و یقینی امر تھا۔ اس لئے ہر زمانے میں ان فکری جہات میں علماء و مفکرین کی آراء مختلف رہی ہیں۔ حتی کہ بعض اوقات اس اختلافی خلیج میں اس قدر وسعت آجاتی ہے۔ کہ جمہور فقہا، ایک رائے پر متفق ہوئے ہیں اور اسی مسئلے اور پیش آمدہ صورت میں ایک فقیہ اور مفکر کا اجتہاد ان سب کے مخالف ہوتا ہے۔ اس فقیہ اور مفکر کی اس منفرد رائے اور نقطہ نظر کو اصطلاحی طور پر قول شاذ یا تفرد کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن اس منفرد اور الگ قول کو بے حیثیت و بے وقعت شمار نہیں کیا جاتا بلکہ افتاء کے اصول و ضوابط میں اس منفرد اور شاذ قول کو اختیار کرنے اور اس پر فتویٰ دینے کی متعدد صورتیں مذکور ہیں۔

لہذا ذیل میں ہم تفرد اور قول شاذ کے معنی و مفہوم کی وضاحت کے ساتھ ساتھ بیان کریں گے کہ قول شاذ پر فتوی دینے کے اصول و ضوابط کیا ہیں؟ نیز عصری مسائل اور تغیر پذیر حالات میں اس سے کس حد تک استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ابتداء ایک قابل فہم امر یہ ہے کہ تفرد اور شاذ باہمی طور پر مترادف ہیں۔ ان میں اگرچہ لغوی اعتبار سے ماخذ اور مصدر کی نسبت سے فرق پایا جاتا ہے۔ مگر اصطلاحی طور سے کوئی تفریق نہیں کی جاتی ہے۔ البتہ قدیم کتب فقہ میں اس منفرد اور الگ تھلگ قول کے لئے لفظ شاذ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور عصری مباحث میں معاصر فقہاء اور مفکرین کے منفرد نقطہ نظر کو تفرد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی لئے معاصر علماء کے منفرد اقوال کو تفردات کے لفظ سے بیان کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم شاذ و تفرد کے متعلقات کے ضمن میں سب سے پہلے اس کے لغوی معنی و اصطلاحی معنی کو بیان کرتے ہیں۔

شاذ کا لغوی معنی

شاذ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ باب نصر ینصر اور باب ضرب یضرب سے آتا ہے اور جب کوئی فرد جمہور سے الگ ہو جائے تو اسے شاذ کہا جاتا ہے۔ اور "شذ الرجل" تب بولا جاتا ہے جب کوئی اپنے ساتھیوں سے جدا ہو جائے۔ اور ایسے ہی منفرد چیز شاذ کہلاتی ہے۔ اور "اشذذت یارجل" تب بولا جاتا ہے جب کوئی شخص

نایاب اور الگ تھلک قول کو اختیار کرلے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر شاذ کے معنی عام لوگوں سے منفرد اور الگ رائے کا اختیار کرنا ہے اور یہ اس رائے کی بنیاد پر اس شخص کا جمہور یا اپنے ساتھیوں سے الگ ہو جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے یہی معنی تہذیب اللغۃ اور معجم مقاییس اللغہ میں لکھا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ ہرویؒ لکھتے ہیں کہ "یقال شذ الرجل، اذا انفرد عن اصحابه"[1]، اسی طرح معجم المقاییس اللغۃ میں ابن فارسؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "الشذ یشذ شذوذا، انفرد عن الجمهور فهو شاذ"[2]، اور علامہ ہرویؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ "یقال الشاذ في اللغة بالمطرد وهو المستمر المتتابع" [3]۔

ترجمہ: شذ الرجل "تب کہا جاتا ہے جب کوئی فرد اپنے ساتھیوں سے الگ ہو جائے۔ اور باب ضرب یضرب سے اس کا معنی کہ جمہور سے منفرد ہو جانا۔ اور اس منفرد رائے کے حامل فرد کے قول کو شاذ کہا جائے گا اور لغت میں شاذ کا لفظ المتتابع کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ اور اس سے مراد سابقہ رائے سے اتفاق کرنے والا اور اس کی پیروی کرنے والا ہے۔

اس بحث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شاذ سے مراد الگ اور منفرد رائے ہے یا اس منفرد رائے کا حامل ہونا ہے۔ اور عموماً اہل لغت نے اس کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر عبد الرحمن بن صالح الدہش لکھتے ہیں:

اتفقت المعاجم اللغوية على ان مادة (شذذ) تدل على الانفراد والمفارقة"[4]۔

ترجمہ: تمام اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ مادہ منفرد اور جدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاذ کے مندرجہ بالا معنی میں کوئی لغوی اعتبار سے اختلاف نہیں ہے۔ الاشباہ والنظائر میں امام سیوطیؒ نے اس کے معنی کی نسبت سے دو اقسام بیان کی ہیں۔

"قسم بعضهم إلى نادر وهو ما قل وجوده ضعيف وهو ما يكون في ثبوته كلامك (قرطاس) بالضم [5]۔"

ترجمہ: بعض لوگوں نے شاذ کی معنی کے اعتبار سے دو اقسام بیان کی ہیں، پہلی قسم نادر ہے یعنی جس کا وجود کم یاب اور نایاب ہو اور دوسری قسم "ضعیف" کے معنی میں ہے اس سے مراد ہے جس کے ثبوت میں کلام ہو جیسا کہ قرطاس کو "ق" کی ضمہ کے ساتھ پڑھنا ہے۔"

اس توضیح سے ثابت ہوتا ہے کہ شاذ کا بنیادی طور پر لغوی معنی اور مفہوم الگ اور منفرد ہوتا ہے۔ اور معنوی اقسام کی نسبت سے کبھی نایاب اور کبھی ضعیف کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

شاذ کی اصطلاحی تعریف میں چونکہ فقہاء اور اصولیین کی رائے قدرے مختلف ہے اس لئے اس کی توضیح میں اولا فقہا کے اقوال بیان کئے جاتے ہیں۔

فقہاء کی نظر میں شاذ کی اصطلاحی تعریف

علمائے فقہ نے شاذ کے اصطلاحی طور پر مختلف معانی مراد لئے ہیں۔ لہذا ہر ایک کے یہاں اس کا ایک متعین مراد و مفہوم ہے۔ علامہ ابن حزم اندلسیؒ نے الاحکام فی اصول الاحکام میں لکھا ہے۔

---

[1] ہروی، محمد بن احمد، تہذیب اللغه، ج:11ص:271۔

[2] ابن فارس، احمد بن فارس، معجم المقاییس اللغته، ج:3، ص:180۔

[3] ہروی، محمد بن احمد، تہذیب اللغه، ج13، ص:311۔

[4] دهش، عبد الرحمن بن صالح، ڈاکٹر، الاقوال الشاذة في التفسير، ص:19، مطبع جامعة الامام محمد بن سعود الرياض، 2004۔

[5] سيوطی، عبد الرحمن بن ابي بكر ، جلال الدين، الاشباه والنظائر، ج: 2، ص: 263، ط: الكتب العلمية، 1411ھ،

"الشذوذ هو مغارقة الواد من العلماء وسائرهم[6]۔"

"ترجمہ: کسی ایک عالم کا تمام علماء سے رائے میں الگ ہو جانا شذوذ کھلاتا ہے۔۔"

یہ تعریف اعتراض سے محفوظ نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حزمؒ نے فرمایا۔

"وذلك أن الواحد إذا خالف سائر العلماء لا يخلو ان يكون مصيباً أو مخطيئا فان كان مصيبا فهو محمود والشذوذ مذموم بإجماع وقد خالف أبو بكر جميع الصحابة في حرب اہل الردة فكانوامخطئين وهو وحده المصيب." [7]

"اس تعریف پر اشکال ہے کہ جب ایک عالم تمام علماء کی مخالفت کرے گا تو یقیناً یا تو حق پر ہو گا یا باطل پر لہذا اس کا درستگی پر ہونا تو پسندیدہ ہے۔ اور شذوذ بالاجماع مذموم ہیں۔ جیسا کہ مرتدین کے خلاف جنگ کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق کی رائے تمام صحابہ کرام کے خلاف تھی۔ حالانکہ ان کی رائے درست تھی۔ اور دیگر تمام صحابہ کرام کی رائے وقتی ضرورت کے تحت درست نہ تھی۔ لہذا مندرجہ بالا تعریف محل نظر ہے۔

ابن قدامؒ شاذ کی تعریف کرتے ہوے لکھتے ہے:

"هو قول الواحد وترك قول الاكثر "[8]

ترجمہ: شاذ کسی ایک فرد کا قول ہوتا ہے۔ جس میں اکثریت کے قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اس تعریف پر بھی وہی اعتراض ہوتا ہے جو اس سے ماقبل تعریف پر ہو چکا ہے۔ لہذا یہ تعریف بھی محل نظر ہے۔

علامہ زرکشیؒ نے شاذ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"هو ان يجمع العلماء على امر ما ثم يخرج رجل منهم عن ذالك القول الذي جامعهم عليه "[9]

ترجمہ: شاذ یہ ہے کہ پہلے تمام علماء ایک بات پر متفق ہوں پھر ان لوگوں میں سے جنہوں نے اس قول پر اجماع کیا۔

ایک تعریف یہ ہے کہ کوئی منفرد قول اختیار کرے۔ اس تعریف پر بھی وہی اعتراض وارد ہونا ہے جس کا اظہار علامہ ابن حزم نے کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :"لا يسلم هذا ايضا من اعتراض لان .... الخ[10]

ترجمہ:" یہ تعریف بھی اعتراض سے محفوظ نہیں ہے کیونکہ اس میں تعریف بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام علماء کے کسی امر پر اجماع کے بعد اس سے خروج بظاہر محال اور ناممکن ہے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا تعریف پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اس کے بعد علامہ ابن حزمؒ نے شاذ کی تعریف کی جس میں لکھتے ہیں:

هو مخالفة الحق [11]۔ ترجمہ:"شاذ سے مراد حق کی مخالفت ہے۔"

چونکہ اجماع امت کو ادلہ شرعیہ میں ایک حجت و دلیل پشت خاص ہے اس لئے اس سے انحراف کو مخالفت حق کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

---

[6] اندلسی ابن حزم ،علی بن احمد،الاحکام فی اصول الاحکام،،ص:611، بیروت، دار الآفاق الجدیدہ،1403ھ،1983

[7] ایضا۔

[8] ابن قدامه الدمشقی،عبد الله بن محمد،روضه الناظره وجنة المناظر المكلة المكرمه،موسسته الرياب،1399ھ،ص:142۔

[9] زرکشی،محمد بن بہادر بن عبد الله البحر المحيط في اصول الفقه،بیروت،دار الكتب العلميه،1403ھ،ص:518۔

[10] اندلسی،ابن حزم علی بن احمد،الاحکام فی اصول الاحکام،بیروت،دار الآفاق الجدیدہ 1403 ھ 1983ء،ج:5،ص:611۔

[11] ایضا،ص:662۔

اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں۔

"فلما لم يجز ان يكون الحق..... الخ "

ترجمہ:"حق کا شاذ ہونا ایک مسلمہ امر ہے۔اور حق اور باطل ہی دو صورتیں ہیں شذوذ کا باطل ہونا درست و صحیح ہے[12]۔"

اگر تفکر و تدبر سے دیکھا جائے تو ابن حزم کی یہ تعریف درست نظر نہیں آتی کیونکہ اس تعریف کی لغوی معنی کے ساتھ مناسبت نہیں ہے۔اس پہلو کی تائید صالح بن علی الشمراتی کی عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ

"الا ان ما رجحه ابن حزم لا يصلح ان يكون حدا للشذوذ اذ لا ترابط بين ما ذكره و بين المعنى اللغوى للشذوذ بل ما ذكره يصلح ان يكون جدا للباطل بالمقابلة اى أن الباطل ما خالف الحق "[13]

ترجمہ: جس تعریف کو علامہ ابن حزم نے اختیار کیا ہے اس میں حد کی تعریف ہونے کی صلاحیت نہیں ہے کیونکہ اس تعریف اور شذوذ کے لغوی معنی میں کوئی مناسبت نہیں پائی جاتی بلکہ یہ تو باطل کی تعریف ہے کیونکہ باطل ہوتا ہی وہی ہے جو حق کا مخالف و مقابل ہو۔ "

یوں علامہ ابن حاجب کی مختار تعریف میں موجود سقم کی بنا، یہ قابل التفات نہیں رہتی کہ اسے شاذ کی تعریف کے طور پر قبول کیا جائے۔ علامہ ابن حاجبؒ کشف النقاب میں شاذ کی تعریف یوں فرماتے ہے۔

هو ما ضعف دليله [14] ترجمہ:"شاذ اسے کہا جائے گا جس کی دلیل کمزور ہو۔"

اس تعریف میں علامہ صاحب نے شاذ کی تعریف میں اس کی دلیل کے ضعیف ہونے کو اس کے شاذ ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی علامہ ابن حاجب صاحب نے دیگر اقوال و تعریفات کا خلاصہ ذکر فرمایا ہے۔کہ "شاذ مشہور کا مقابل ہوتا ہے یا راجح کا مقابل ہوتا ہے یا صحیح کا مقابل ہوتا ہے، یا اصح کا مقابل ہوتا ہے یا اظہر کا مقابل ہوتا ہے۔[15]"

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاذ مرجوح رائے یا ضعیف رائے یا غریب رائے کو کہا جائے گا۔ البتہ اگر شاذ کی ایسی تعریف تلاش کی جائے جو حقیقتاً جامع و مانع ہو تو اختصار کے اعتبار سے علامہ شمرؒانی کی تعریف سب سے مناسب معلوم ہوتی ہے۔اور اس کی تمام حدود کا تعین بھی بہت باریک بینی سے کیا گیا ہے۔بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شمرانی نے یہ تعریف سابقہ تمام تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"في الاصطلاح الشذوذ انه التفرد يقول مخالف للحق بلاحجة معتبرة[16]"

ترجمہ:"اصطلاحی طور شذوذ سے مراد حق کے مخالف اور حجت غیر معتبر کی بنیاد پر تفرد اختیار کرنا ہے۔ "

اس تعریف میں تفرد کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کیونکہ قول شاذ ہمیشہ فرد یا افراد کی جانب سے واقع ہوتا ہے۔اوامت کا سواد اعظم اس کا مخالف ہوتا ہے۔

---

[12] ایضا،ص:661۔

[13] شمرانی،صالح بن علی،الاقوال الشاذہ فی بدایتہ المجتہد،ریاض،دار المنہاج،1428ھ،ص:41۔

[14] ابن فرعون،ابراہیم بن علی،کشف النقاب الحاجب من مصطلح ابن الحاجب،بیروت،دار الغرب الاسلامی،1990،ص:90۔

[15] ابن فرعون،ابراہیم بن علی،کشف النقاب الحاجب من مصطلح ابن الحاجب،ص:90،91 ۔

[16] شمرانی،الاقوال الشاذہ ص:42۔

اور مخالف حق اس لئے قرار دیا گیا۔ کیونکہ یہ حجت اجماع امت کے خلاف ہوا کرتا ہے۔ اور اس میں بلا حجتہ کی قید اس لئے لگائی تا کہ ضعیف و مرجوح قول نکل جائے۔ کیونکہ اس کی بنیاد ہمیشہ دلیل ہوا کرتی ہے۔ اور معتبر کا لفظ لا کر یہ واضح کیا کہ قول شاذ کی بنیاد بھی قائل کے ہاں کوئی دلیل ہوتی ہے۔ مگر وہ دلیل معتبر نہیں ہوتی کہ اس پر انحصار و اعتماد کیا جائے۔

البتہ اسی تعریف کو مزید وضاحت و توضیح کے ساتھ ڈاکٹر احمد بن علی المبارکی نے القول الشاذ واثرہ فی الفتیا میں ذکر کیا ہے۔

الشاذ هو التفرد بقول المخالف للسواد الاعظم من المجتهدين بلا مستند من سماع او قياس او حجة معتبره[17]۔

شاذ ایسا تفرد ہے جو ائمہ مجتہدین کے سواد اعظم کے قول کے خلاف ہو اور سماع، قیاس یا کوئی معتبر دلیل اس کی بنیاد نہ ہو۔ مندرجہ بالا دونوں تعریفات چونکہ عصری مفکرین کی جانب سے متعین کی گئی ہیں۔ ان میں ایک اضافی نقطہ یہ سامنے آتا ہے کہ عصری، اصطلاح میں تفرد اور شاذ دونوں مترادف ہیں۔ ان میں معنی و مفہوم کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ شمرانی فرماتے ہیں : انه التفرد [18] ۔ کہ شاذ تفرد ہی ہے۔

ایسے ہی ڈاکٹر المبارتی نے بھی یوں ہی لکھا ہے کی "الشاذ هو التفرد [19]"۔ ترجمہ: کہ شاذ وہ تفرد ہی ہے۔

چنانچہ ان دونوں امثلہ سے متعین ضابطہ کی توضیح ہو رہی ہے۔ کہ شاذ و تفرد دونوں ہم معنی و مفہوم اصطلاحات میں جن میں باہمی فرق محض زمانی و بیانی ہے۔ چنانچہ متاخرین و معاصرین نے شاذ کے متعلقہ مافی الضمیر کے لئے لفظ تفرد کو بیانی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اور متقدمین کے ہاں اسی کو مفہوم کو شاذ کے لفظ سے بیان کیا جاتا تھا۔ البتہ بعض نے ان میں قدرے مختلف جہات سے فرق کیا ہے۔ جیسا کہ طاہر اسلام صاحب لکھتے ہیں۔

میرے رائے میں دونوں (تفرد و شاذ) میں فرق کرنا چاہیے۔ اور اس کا تعلق قائل سے ہے اگر تو بدعتی آدمی ہے تو اس کا مخالف دلیل قول شاذ ہو گا اور اگر اہل سنت عالم ہے تو اس کا مرجوح موقف شمار ہو گا۔ اور اسے بدعتی قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اصلا وہ اہل سنت کے طریق و استدلال پر ہے[20]۔"

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاذ و تفرد میں معنوی اعتبار سے قدرے فرق ہے مگر حقیقتاً دونوں میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ ماقبل مباحث سے ثابت ہو چکا ہے کہ دونوں اصطلاحات مترادف ہیں اور ان میں معنوی اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ متقدمین کے ہاں اقوال شاذہ کثیر ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کو بدعت کے ساتھ مطعون نہیں کیا گیا۔ لہٰذا انہیں کیسے بدعتی گردانا جا سکتا ہے۔ لہٰذا طاہر اسلام صاحب کا قول محل نظر ہے۔

تفرد کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اگر چہ ماقبل بحث سے واضح ہوا ہے کہ تفرد اور شاذ کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں بڑی حد تک مماثلت و مطابقت پائی جاتی ہے۔ مگر بعض لفظی و تعبیری جہات سے قدرے فرق پایا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم بنیادی مآخذ کے اعتبار سے تفرد کے لغوی اور اصطلاحی معنی کا جائزہ لیتے ہیں۔

تفرد کا لغوی معنی

لفظ تفرد چونکہ ثلاثی مجرد "فرد" سے لیا گیا ہے اور اس کے بہت سی معانی آتے ہیں، جیسا کہ اکیلے ہونا، الگ ہونا، چونکہ عربی میں یوں کہا جاتا ہے "توحد

---

[17] مبارکی، الدکتور، احمد بن علی، القول الشاذ واثرہ فی الفتیا، الریاض، دار العزہ 1433ھ، ص:75۔

[18] شمرانی، الاقوال الشاذہ ص:42۔

[19] مبارکی، الدکتور، احمد بن علی، القول الشاذ واثرہ فی الفتیا، ص:76۔

[20] طاہر اسلام، شذوذات و تفردات، لاہور، مکتبہ محدث، 2014، ص:2۔

برائیہ "اس کی رائے الگ ہے اس کی رائے جدا ہے[21]"

اور یوں کہا جاتا ہے کہ "انفرد بالامور "یعنی وہ الگ ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ وہ اپنی ذات میں منفرد ہے۔

"تفرد بالامر" کا معنی ہے کہ وہ الگ ہو گیا[22]۔

تفرد کا ایک معنی منفرد سوجھ بوجھ اور لوگوں سے الگ ہونا بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "فرد الرجل" کہ اس بات کو اس نے سمجھا ہے، وہ لوگوں سے جدا ہے اور امر و نہی کی رعایت میں اکیلا ہے[23]۔

ان تمام لغوی معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ تفرد کا لفظی معنی اکیلا ہونا جدا ہونا، الگ ہونا، منفرد ہونا وغیرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاذ اور تفرد کے معنی میں ترادف پایا جاتا ہے۔

تفرد کا اصطلاحی مفوم

تفرد ات کے لیے بعض اوقات مفردات کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ دونوں لفظی تعبیرات کے لحاظ سے الگ ہیں البتہ اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ صلاحین کی کتاب، مفردات المذھب المالکی فی العبادات، میں امام مالکؒ کے تفرد ات عبادات کو جمع کیا ہے۔

تفرد ات کی مختلف اصطلاحی تعریفات میں سے چند درجہ ذیل ہیں:

سالم الثقفی نے مفاتح الفقہ الحنبلی میں تفرد ات یا مفردات کی یوں تعریف کی ہے۔

هي المسائل التي انفرد بالفتوى فيها احد ائمة المذاهب عن بقية المذاهب بحيث لم يوجد منهم له فيها مشارک۔[24]

یعنی مفردات ایسے مسائل ہیں جن میں ائمہ مذاہب میں کوئی امام دیگر ائمہ سے فتوی میں منفرد ہو۔ اس حیثیت سے کہ اس فتوی میں ائمہ میں سے کوئی اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔"

مندرجہ بالا تعریف اگرچہ اپنے مفہوم میں واضح ہے مگر محل نظر ہے کیونکہ تفرد سے مراد تو مذہب میں راجح اور مشہور قول ہوتا ہے فتویٰ یا قول مرجوع مراد نہیں ہوتا کیونکہ بعض اوقات امام کے بجائے اس کے تلامذہ وغیرہ میں سے دیگر کا قول معتمد ہوتا ہے۔ لہذا اس صورت میں یہ تفرد نہ کہلائے گا۔

صلاحین نے مفردات المذھب المالکی فی العبادات میں تفرد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"هي المسائل الفقهية التي انفرد فيها أحد الأئمة الأربعة يقول مشهور في مذهبه لم يوافقه فيه أحد من الائمة الثلاثة الباقين[25] "

ترجمہ: تفرد ات ایسے فقہی مسائل ہوتے ہیں جن میں کسی مشہور کی بناء پر ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام منفرد ہو۔ جس میں بقیہ تینوں ائمہ میں سے کوئی امام اس کے موافق نہ ہو۔"

اس تعریف میں بھی ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ تفرد ات کو ائمہ اربعہ پر محصور کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ تفرد ات تو ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی کسی کے ہو سکتے ہیں۔ البتہ ان میں سے سب سے عمدہ تعریف یہ ہے کہ

---

[21] لسان العرب، ج: 3 ص:449۔

[22] ابراہیم مصطفی، احمد الفریات، حامد عبدالقادر، محمد نجار، المعجم الوسیط، دار الدعوہ، س۔ن، ج: 3ص:679۔

[23] ھروی، محمد بن احمد، تھذیب اللغہ، بیروت، دار احیاء، التراث العربی، 2000ء، ج:14ص:70۔

[24] سالم الثقفی، مفاتیح الفقہ الحنبلی، ص:4، ط:بیروت، لبنان۔

[25] مفردات المذھب المالکی، ص:4۔

"المسائل الفقهية التي خالف فيها احد المذاهب الأربعة في القول للمعتمد المشهور في المذهب الاقوال المعتمدة المشهورة في المذاهب الثلاثة الباقية"

ترجمہ: تفردات ایسے فقہی مسائل ہوتے ہیں جن میں مذاہب اربعہ میں سے کسی نے قول راجح مشہور فی المذہب کے ذریعہ بقیہ تینوں مذاہب کے اقوال راجحہ مشہورہ کی مخالفت کی ہو۔"

اس تعریف میں المسائل الفقھیہ نے دیگر علوم کے تفردات کو نکال دیا۔

ائمۃ المذاھب الأربعہ نے مذاہب اربعہ کے علاوہ کو نکال دیا۔ اور القول المعتمد المشھور کے ذریعہ غیر معتبر اقوال مرجوح عربیہ خارج ہو گئے۔

الأقوال المذاھب المعتمدۃ المشھورۃ في المذاھب الثلاثۃ الباقیۃ کے ذریعے مذاہب اربعہ کے علاوہ دیگر مذاہب خارج ہو گئے کیونکہ ان کے اقوال بھی اپنے مذہب میں معتبر ہوتے ہیں۔ لہذا تعریف جامع اور مانع ہونے کے اعتبار سے عمدہ ہے۔

شاذو تفرد کی تعریف اور مذاہب اربعہ

اگر مندرجہ بالا اصطلاحی بحث کا مذاہب اربعہ کے اعتبار جائزہ لیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصطلاحی طور پر شاذ، صحیح مشہور اور راجح کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا کہ ضعیف، غریب اور مرجوح رائے کو شاذ کہا جائے گا۔ جیسا کہ علامہ زرکشی کی تعریف سے تائید ہوتی ہے۔[26] "

حنابلہ کے ہاں قول شاذ وہ ہے جو جمہور اہل علم اور معتبر دلائل کے خلاف ہو جیسا کہ ابن ندایہ کی تعریف اور امثلہ سے ثابت ہوتا ہے[27]۔

معلوم ہوا کہ جمہور فقہار کے ہاں شاذ وہ ہے جو ایک مرد یا قلیل جماعت کی رائے ہو۔ جبکہ حنابلہ کے ہاں شاذ اسے کہا جائے گا جو باطل ہو اور حق کے مقابل ہو۔ اس صورت میں حنابلہ کے ہاں قول شاذ کو کسی بھی علت کی بناء پر اختیار کرنا مطلق طور پر انواع باطل کے حکم میں آئے گا جو ناجائز اور ممنوع ہے جبکہ جمہور کے یہاں کسی بھی عارض کی بناء پر اسے اختیار کرنا جائز ہو گا۔ اور اس پر فتوی جائز ہو گا۔

مذاہب اربعہ میں تفرد اختیار کرنے کی شرائط

مذاہب اربعہ میں تفرد اختیار کرنے کا حق صرف مفتی مجتہد اور محقق کو حاصل ہے۔ اور اس سے مراد ایسا شخص ہے جس کو اپنی خداداد صلاحیت اور ملکہ حاصل ہو۔ جس کی وجہ سے اپنے امام کے اصول کے مطابق اجتہاد کر کے جزوی مسائل کی تخریج اور استنباط پر دسترس حاصل ہو[28]۔

مجتہد کے لئے اپنے مذہب کو کسی مسئلہ میں اس طور پر عدول کرنا کہ وہ اپنی قوت اجتہاد کے ذریعہ سے نصوص و دلائل پر غور کرنے کے بعد کسی جزئی مسئلہ میں اپنے مذہب کی بجائے کسی دوسرے قول کو راجح سمجھتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کے لئے بلا ضرورت اس قول کو اختیار کرنا جائز ہے۔ اگرچہ اس کے عمل کی وجہ سے تلفیق بھی لازم آرہی ہو۔ اور یہ اس مجتہد کا تفرد کہلائے گا[29]۔

ایسا عالم جو علوم و فنون میں کامل دسترس رکھتا ہو اس کا تقویٰ و خلوص مسلم ہو۔ اصل و فروع میں اہل حق کا تابع ہو اگر کسی مسئلہ میں جمہور سے الگ رائے اختیار کرے تو اس انفرادی رائے کو تفرد کہا جاسکتا ہے۔ تفرد دیگر افراد کے لئے قابل اتباع نہیں بلکہ قابل رد ہوتا ہے جیسا کہ شرح عقود رسم المفتی میں لکھا ہے۔ کہ محقق ابن

---

[26] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المختار علی الدرالمختار، ج:1، ص:252، ط، دار المعرفۃ لبنان۔

[27] ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد بن محمد، المغنی، 1252ھ، ج:6، ص:252، ط:مکتبہ القاہرہ مصر۔

[28] ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، البحر الرائق، شرح کنز الدقائق، بیروت، دار الکتب الاسلامیہ، ج:6، ص:37۔

[29] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المختار علی الدر المختار، ج1، ص:174، ط، دار المعرفۃ لبنان۔

ہمام کے تفردات کے بارے میں ان کے تلمیذ خاص علامہ قاسم قطلوبغا فرماتے ہیں "ہمارے شیخ کے تفردات جو جمہور کی رائے اور مذہب مشہور کے خلاف ہیں۔ وہ قابل اتباع نہیں[30]۔

مندرجہ بالا بحث سے درج ذیل نکات اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

- تفرد اختیار کرنے میں کسی قسم کے عناد وضد اور خواہش نفس کا دخل نہ ہو۔
- تفرد کا دائرہ عمل ائمہ اربعہ کے مذاہب کے درمیان ہو اور اجماع کی مخالفت لازم نہ آرہی ہو۔ نیز کسی غیر منسوخ صحیح حدیث کی بناء پر تفرد اختیار کرے۔ محقق و مجتہد اپنے اجتہاد اور رائے سے اگر ایسا تفرد اختیار کرے جس سے اجماع اور مذاہب اربعہ کی مخالفت لازم آئے تو ایسا تفرد بالاجماع حرام ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن تیمیہ کے متعدد تفردات کا شمار اس قسم میں کیا جاتا ہے[31]۔ البتہ اگر ضرورت شدیدہ ہو یا عموم بلوی کی بناء پر عامتہ المسلمین کی رعایت اور مصالح کے مطابق اگر اپنے امام کے قول ضعیف یا مذہب غیر پر فتوی صادر کرے تو یہ تفرد نہ ہو گا۔
- اپنے مذہب کے قول ضعیف یا قول غیر مفتی بہ کو اگر مجتہد اپنی فکر کے اعتبار سے قوی خیال کرتے ہوئے تفرد اختیار کرے تو یہ جائز ہو گا[32]۔
- اس محقق کے لئے اپنے تفرد پر ذاتی طور پر عمل کی اجازت ہے۔ نیز اپنے مذہب کے مخالف ہونے کے باوجود اس قول پر عمل کرنا اس کے لئے جائز ہے۔ کیونکہ مجتہد کے لئے اپنے اجتہاد کردہ مسئلہ کا اتباع لازم ہے[33]۔
- اہل ہوی وضلال کی گمراہیوں اور نفس پرستی اور مغلوبیت کی بناء پر صادر اقوال کو تفرد کا نام نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ انحراف و تقصیر اور بے راہروی شمار ہو گی۔
- تفرد ہمیشہ اقوال ائمہ تک محدود ہو گا۔ خود ساختہ اختراعات کو تفردات میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔
- تفرد ہمیشہ فروعی واجتہادی مسائل میں ہوتا ہے۔ مسلمات وقطعیات میں تفرد روا نہیں ہو سکتا[34]۔

اطلاقات شاذ

فقہاء نے مختلف مقامات میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کسی ضابطے کے تحت کسی قول پر شاذ ہونے کا اطلاق کیا جائے گا جس کی بناء پر قول شاذ یا تفرد دیگر اقوال سے منفرد و الگ ہو جائے۔

چنانچہ امام شاطبیؒ نے دلیل قطعی جیسا کہ نص متواتر یا حکم کلی میں اجماع قطعی کی مخالفت پر قول شاذ کا اطلاق کیا ہے۔ اس کے ساتھ بھی دلیل ظنی کی مخالفت جیسا کہ خبر واحد اور قیاس جزئی وغیرہ کو ہی تفرد شاذ میں شمار کیا ہے۔

اس میں دلیل قطعی کی مخالفت کی صورت میں عدم التفات میں کوئی اشکال نہیں۔ مگر تنبیہ کے لئے بعض اوقات اس قول شاذ کو بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اور دلیل ظنی پر اعتماد کی صورت میں قول شاذ کو مجتہد فیہ سمجھا جائے گا[35]۔ لہذا شذوذ و تفردات میں سے بہت کم اقوال پر بطلان و گمراہی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے اکثر پر منفرد ہونے کی حیثیت سے جمہور کی مخالفت کی بناء پر محض شاذ و تفرد کا نام دیا جائے گا۔ شذوذات، تفردات پر غور و فکر کرنے پر چند احوال سامنے آتے ہیں۔ جن

---

[30] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، شرح عقود رسم المفتی، ج:4، ص:118، ط، دار المعرفة لبنان۔

[31] ابن حجر مکی، فتاوی حدیثیه، ص:87۔

[32] ابن حجر مکی، فتاوی حدیثیه، ص:87۔

[33] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، شرح عقود رسم المفتی، 1412ھ، ص:191، دار الفکر، بیروت۔

[34] قاسمی، شبیر احمد، مفتی، فتاوی قاسمیه، دیوبند، مکتبه اشرفیه 1437ھ، ج1، ص:182۔

[35] الشاطبی، ابو اسحاق ابراهیم بن موسی بن محمد، العلامه، ت:790ھ، الموافقات، ج:5، ص:139، ط:دار ابن عفان۔

حالتوں میں کسی قول کو علماء نے شاذ قرار دیا ہے۔

تفردات واقوال شاذہ کی پہچان

- اس قول کا صریح اور صحیح نص کے خلاف ہونا۔
- اجماع کے خلاف ہونا۔
- کسی قول کے قائلین کا معدودے چند ہونا اور عام اہل علم کا اس کے خلاف ہونا۔
- علماء نے اس قول کو معمول بہا نہ بنایا ہو بلکہ اسے ترک کر دیا ہو۔
- کسی قول کا اصول شریعت اور قواعد کے مخالف ہونا۔
- ان مختلف صورتوں میں کسی قول پر شاذ ہونے کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

اقوال شاذہ اور تفردات کی شرعی حیثیت

قول شاذ کی دو صورتیں واضح ہونے کے بعد اس کی تفصیل اور تائید میں علماء کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔ شاذ کی دو صورتوں میں سے پہلی صورت یعنی ایسا قول شاذ جس میں قرآن وحدیث اجماع امت اور قیاس جلی اور شریعت کے مسلمہ قواعدہ واصول استنباط کی صریح مخالفت پائی جاتی ہو۔ اور اس کی بنیاد کسی ایسی دلیل پر ہو جو شریعت میں قابل اعتبار نہیں ہے۔ تو ایسے قول شاذ پر عمل کرنا، یا اس پر فتوی دینا ناجائز اور حرام ہے۔ جیسا کہ شہاب الدین القزافیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"كل شيء افتى فيه المجتهد فخرجت فتياه فيه على خلاف الاجماع .....الخ"[36] ۔

ترجمہ: ہر ایسی چیز جس میں کسی مجتہد کا فتویٰ اجماع، قواعد شرعیہ، نص یا قیاس جلی کے خلاف ہو۔ تو اس کے لئے فتوی دینا یا لوگوں کو بتانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شرعی دلیل کے بغیر فتوی دینا حرام ہے۔ لہذا اس حکم کے مطابق فتوی دینا بھی حرام ہے۔ اگرچہ مجتہد گناہ گار نہیں ہو گا۔ بلکہ حکم کے مطابق اپنی قوت اجتہاد کو صرف کرنے کی بناء مستحق ثواب ہو گا۔"

اس صورت میں اس اجتہاد کو اور "زلۃ العالم" کے لفظ سے تعبیر کیا جائے اور اسے گمراہی اور بطلان گردانا جائے گا۔ جس کی اتباع کسی صورت بھی جائز نہیں ہے۔

امام شاطبیؒ نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

"ان زلة العالم لا يصح اعتمادها من جهة ولا اخذ بها ...الخ[37]۔"

ترجمہ: "کیونکہ تقصیر عالم پر کسی بھی صورت میں اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔ نہ اس کی تقلید کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد شریعت کی مخالفت پر ہے۔ اور یہ بات گمراہی شمار کی جاتی ہے۔ لیکن اس مجتہد پر طعن وتشنیع نہیں کی جائے گی"

اس سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس صورت میں شاذ وتفرد کی پیروی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ شریعت کی وجہ سے یہ امر گمراہی میں شمار ہو گا۔ البتہ اس کی وجہ سے اس مجتہد کی ذات کو محل طنز وطعن بنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں عام لوگوں کے ذہن میں علماء کی حقارت و نفرت پروان چڑھتی ہے۔ جو دین سے

[36] قزافی، شہاب الدین احمد بن ادریس بن عبد الرحمن، ت، 1431ھ، الفروق، ج: 2، ص: 198، ط، دار الاحیاء التراث العربي، القاہرہ

[37] قرطبی، ابن عبد البر یوسف بن عبد اللہ بن محمد، الجامع الاحکام القرآن، موسستہ الرسالہ: 1427ھ، ج: 10، ص: 131، ط: مکتبہ دار المعرفة لبنان۔

دوری اور استفادہ سے محرومی کا باعث ہے۔

اس قسم کے شاذ اقوال سے احتراز و اجتناب کے بارے میں مختلف اقوال سلف منقول ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں ان تفردات سے احتراز کی تاکید کی گئی ہے۔

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول حضرت زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عن زياد بن حدير قال: لی عمر هل تعرف ...الخ [38]۔

ترجمہ: "حضرت زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تم جانتے ہو کون سی چیز اسلام کو منہدم کر دیتی ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں تو فرمانے لگے اسلام کو عالم کا بھٹک جانا، اور منافق کا قرآن کے متعلق جھگڑانا اور گمراہ لوگوں کا حاکم بن جانا منہدم کر دیتا ہے۔ "

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے قول شاذ کی پیروی اور اتباع کرنا دین اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرتا ہے۔ لہذا ان سے احتراز لازم ہے۔

امام اوزاعی ایسے تفردات کے متعلق فرماتے ہیں۔

"من اخذ بنو ادر العلماء خرج من الاسلام [39]۔"

"یعنی جس شخص نے علماء کے نادر اقوال کو اختیار کیا اور اسلام سے خارج ہو گیا۔"

اس کی علامت ہے کہ جس نے شذوذات و تفردات علماء کی پیروی کی راہ راست سے بھٹک جائے گا۔ اور اسلامی تعلیمات کی حقیقت کھو بیٹھے گا۔ کیونکہ اس صورت میں خواہشات کی پیروی کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی بنیاد احکامات پر ہے نہ کہ خواہشات پر۔ چنانچہ ان شذوذات کو معمول بنانا ناجائز ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

"لو ان رجلا عمل يقول اہل الكوفة في النبيذ واهل المدينة في السماع واهل مكة في المتعة كان فاسقا[40]۔"

اگر کوئی شخص نبیذ میں اہل کوفہ سماع میں اہل مدینہ اور متعہ میں اہل مکہ کے قول پر عمل کرتے وہ فاسق ہے۔ "

چونکہ تمام اقوال شاذہ ہیں۔ اس لئے امام احمد نے ان کے اختیار کرنے پر فسق کا حکم لگایا ہے۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ شذوذات و تفردات کو اختیار کر ناشر عاناجائز ہے۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں:

"شبه الحكماء زلة العالم بانكسار السفينة لانها اذا غرقت غرق معها خلق كثير[41]۔

حکماء نے عالم کے بھٹک جانے کو کشتی کے ٹوٹنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ عبادہ راوی ہے جب ڈوبتی تو اس کے ساتھ کثیر مخلوق ڈوب جاتی ہے۔

ان تمام اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ اقوال شاذہ اور تفردات کی وہ قسم جو قرآن و حدیث اور شریعت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہو یا اس کی کسی بھی ایسی دلیل پر ہو جس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا تو ایسے اقوال شاذہ پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فتوی دینا ناجائز ہے۔ اور ان کے بارے میں علماء کے اقوال اور فرامین ذکر کئے گئے ہیں نہ جن میں ان کو اختیار کرنے کی پرزور مخالفت و مذمت کی گئی ہے۔

---

[38] دارمی، ابو محمد بن عبد الله بن عبد الرحمن، سنن الدارمی، رقم الحديث 214 ج:1، ص:82، ط: مكتبة البيروت لبنان۔

[39] شعب الايمان، رقم الحديث:21446، ج:10، ص:211۔

[40] شيبانی، ابو عبد الله احمد بن محمد بن حنبل بن بلال بن اسد، امام، مسند احمد بن حنبل، مؤسسة الرسالة، 1421ھ، ج1، ص:449۔

[41] قرطبی، ابن عبد البر يوسف بن عبد الله بن محمد، جامع بيان العلم و فضله دار ابن الجوزی، 1414 ھ، ج2، ص:982۔

اس کے بعد ہم اقوال شاذہ کی اس قسم کا جائزہ لیتے ہیں جس میں فقہی مذہب میں سے مشہور اور قابل اعتماد رائے کے خلاف قول کو شاذ کہا جاتا ہے جیسا کہ احناف شوافع اور مالکیہ کی رائے سے واضح ہوتا ہے۔

اس شاذ پر ضرورت وحاجت عموم بلوی اور عرف وعادت کی وجہ سے فتوی دینا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے[42]۔"

تفردات واقوال شاذہ پر فتوی دینے کی شرائط

ضرورت وحاجت کا تعلق حقیقی ہو اس بات کا تقاضہ کرے کہ مشقت کو رفع کیا جائے صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے قول شاذ کو اختیار نہ کیا جائے۔ قول شاذ پر فتوی ان مسائل میں نہ ہو جو نص قطعی، اجماع یا قیاس جلی سے ثابت نہ ہوں بلکہ یہ فتوی فروعی اجتہادی ظنی مسائل میں دیا جارہا ہو۔

اس فتویٰ میں مصادر شرعیہ قطعیہ کی مخالفت نہ ہورہی ہو۔ اور نہ ہی فقہاء کے ایسے اقوال ہوں جن کو جمہور اہل علم گمراہی سمجھتے ہیں۔ جیسے متعہ کا جواز وغیرہ۔

اس قول شاذ پر فتویٰ معاصر فقہا یا مبتلی بہ نے خود فقیہ ہونے کی حیثیت سے دیا ہو۔ عام آدمی کے لئے از خود ان کو اختیار کرنا درست نہیں ہے[43]۔ اس قول پر فتویٰ ایسی صورت میں نہ ہو کہ اس سے تلفیق ممنوع لازم آئے[44]۔

تفردات واقوال شاذہ پر دیے گئے فتاواجات کی چند امثلہ

ذیل میں ان شرائط وضوابط کے تحت ایسی امثلہ ذکر کی جاتی ہیں۔ جن میں ائمہ اربعہ کے اقوال کو چھوڑ کر ان کے مقابلہ میں قول شاذ کی اس دوسری قسم کے تحت مذکور قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

ان میں سے ایک مسئلہ نقود میں وقف کا مسئلہ ہے۔ چونکہ جمہور فقہار (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک وقف کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے۔ کہ جس چیز کو وقف کیا جائے۔ وہ ایسی ہو کہ اگر اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو اس کا وجود ختم نہ ہو جیسے زمین، مکان وغیرہ

لہذا نقود (درہم، دنانیر، روپے وغیرہ) میں وقف اس لئے درست نہیں ہو گا۔ کیونکہ ان سے انتفاع اس کے وجود کے خاتمہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ اس عدم جواز کو بیان کرتے ہوئے ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"ان لا يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه كالدنانير والدراهم [45]"

ترجمہ: "ایسی اشیاء میں وقف جائز نہیں، جن کی ذات کے باقی رہتے ہوئے ان سے انتفاع ممکن نہ ہو۔ جیسے دراہم ودنانیر وغیرہ"۔

البتہ فقہاء احناف میں صرف محمد بن عبد اللہ الانصاری کا قول ہے کہ ایسی صورت میں نقود کا وقف جائز ہے۔ اور ان کا معتدل امام زہری کی کا منقول اثر ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"و سئل عن الانصاری فی من وقف الدراهم والدنانير أيجوز قال نعم[46]۔

ترجمہ: محمد بن عبد اللہ انصاری سے پوچھا گیا کہ اس شخص کے بارے میں جس نے دراہم اور دنانیر کو وقف کیا تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں جائز ہے۔"

---

[42] وهبة الزحيلي، الضوابط الشرعية للاخذ باير المذاہب، ط:بيروت، دار الاحياء التراث العربي، 1415 ھ، ص:68، ۔

[43] الفتاوى الفقهيته الكبرى، ج:4، ص:314

[44] ابن تيميه، الفتاوى الكبرى، بيروت، دار الكتب العلميته، 1408ھ، ج:6ص:145

[45] ابن قدامه، ابو محمد، عبد الله بن احمد، المغنى، مصر، مكتبه القاہره، ج: 6 ص: 34

[46] ابن نجيم، زين الدين بن ابراہيم، البحر الرائق، شرح كنز الدقائق، ج: 5 ص: 219

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نقود میں وقف جائز ہے۔ کہ امام زہری سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک ہزار درہم اللہ کے راستے میں دیے جو ایک غلام کے حوالے کئے جس سے وہ تجارت کرتا تھا۔ اور نفع مساکین اور رشتہ داروں پر خرچ کرتا کہ کیا اس شخص کے لئے نفع جائز ہے اگر اسے مساکین کے لئے خاص نہ کیا ہو۔ تو امام زہری نے فرمایا کہ اس کے لئے نفع جائز نہیں ہے۔"

چنانچہ مجلس شرعی نے یہاں پر جمہور فقہاء کے اقوال کو ترک کر کے امام زفر کے شاگرد محمد بن عبد اللہ انصاری کے قول پر فتوی دیا ہے۔ چنانچہ معاییر الشرعیہ میں منقول ہے کہ

"يجوز وقف النقود يكون الانتفاع بها بمالا يودى إلى استهلاكها مع الانتفاع بها [47]"

ترجمہ: نقود کا وقف جائز ہے۔ اور ان سے ایسی صورت میں فائدہ اٹھایا جائے گا تو ان کی اصل ضائع نہ ہو۔

چنانچہ اس دلیل پر حصص اور صکوک کے وقف کو قیاس کیا گیا ہے۔ اور اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

اس کی دوسری مثال مسئلہ استصناع ہے۔ جس میں جمہور فقہاء مالکیہ شافعیہ، اور حنابلہ تو اسے عقد تسلیم نہیں کرتے بلکہ وعدہ بیع کی حیثیت دیتے ہیں [48]۔

البتہ حنفیہ اسے عقد تسلیم کرتے ہیں مگر طرفین کے نزدیک عقد غیر لازم ہے۔ کیونکہ مشتری نے اسے دیکھا نہیں جب دیکھے گا تو اسے خیار رؤیت حاصل ہونے کی بناء پر چاہیے تو عقد پورا کرے چاہے تو فسخ کر دے [49]۔

جبکہ امام ابو یوسفؒ استصناع کو عقد لازم قرار دیتے ہیں کہ اگر صانع عقد کے شرائط کے مطابق چیز بنانا ہے۔ بنانے والے کو خیار رؤیت حاصل نہ ہو گا کیونکہ رد کرنے کی صورت میں صانع کو ضرر عظیم لاحق ہو گی [50]۔

البتہ استصناع کے جواز میں حنفیہ کی دلیل بخاری کی روایت ہے۔

"ان النبي الله اصطنع خاتما من ذهب فجعل قصه في بطن كفه اذالبسه[51]۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی پھر یقیناً اس کے نگینے کو ہتھیلی کی جانب کیا۔

اس حدیث سے استصناع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ اس بحث میں امام ابو یوسف کا قول جمہور کے خلاف ہونے کی بناء پر قول شاذ کی دوسری اصل عظیم کے پیش نظر مجلس شرعی کے علماء نے اس قول شاذ پر فتوی دیا ہے۔

چنانچہ معاییر الشرعیہ میں لکھا ہے۔

"عقد الاستصناع ملزم للطرفين اذا توافرت فيه شروطه [52]۔

ترجمہ: عقد استصناع میں جب تمام شرائط پوری ہو تو یہ عقد طرفین کو مقدم ہو گا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں پر مفتی بہ قول شاذ ہے۔ امام ابو یوسف کے قول کو مستدل بنانے کے حوالے سے لکھتے ہے۔

---

[47] المعايير الشرعيه، المعيار الشرعي، رقم 22، الوقف ضابطه نمبر 3/4/3/3 ص: 826

[48] كشف القناع عن متن الاقناع، ج:3، ص: 154

[49] سرخسی، شمس الائمه ، محمد بن احمد ، المبسوط ، بیروت، دار المعرفة، 1414ھ ، ج: 14 ، ص: 148

[50] كاسانی، علاو الدين، ابو بكر بن مسعود، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، بیروت، دار الكتب العلمية 1406 ھ، ج: 4، ص: 95-96

[51] بخاری، الجامع الصحيح، رقم الحديث: 5870

[52] المعايير الشرعية، المعيار الشرعي رقم 11، الاستصناع الموازی، ضابطه 1/2/2، ص:146

"مستند كون عقد الاستصناع ملزما للطرفين هو قول الامام ابو يوسف فلو كان للمستصنع الامتناع عن اخذه لكان فيه اضرار بالصانع [53]۔"

" استصناع کے عقد کو دونوں فریقوں کے لئے لازم قرار دینے کی امام ابو یوسف کا قول ہے۔ اگر خریدار اختیار دیا جائے تو اس صورت میں صانع کو نقصان پہنچانا لازم آئے گا۔"

اس مسئلہ میں بھی واضح ہوتا ہے شاذ کی دوسری قسم میں جس میں کسی قول کو جمہور کے خلاف ہونے کی بناء پر شاذ کہا جاتا ہے فتوی دیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ ایسے شاذ پر فتوی دیا جا سکتا ہے یا اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جو جمہور کے خلاف ہو۔

[53] ایضا، ص: 184

کتابیات ومصادر ومراجع

1. الأزهري،محمد بن أحمد .تهذيب اللغة .بيروت: دار إحياء التراث العربي، بلا تاريخ۔
2. ابن فارس،أحمد بن فارس .معجم مقاييس اللغة .تحقيق عبد السلام محمد هارون. بيروت: دار الفكر، بلا تاريخ۔
3. السيوطي،جلال الدين عبد الرحمن .الأشباه والنظائر .بيروت: دار الكتب العلمية، بلا تاريخ۔
4. ابن حزم الأندلسي،علي بن أحمد .الإحكام في أصول الأحكام .بيروت: دار الآفاق الجديدة، بلا تاريخ۔
5. ابن قدامة المقدسي،عبد الله بن أحمد .المغني .القاهرة: مكتبة القاهرة، بلا تاريخ۔
6. الزركشي،بدر الدين محمد بن عبد الله .البحر المحيط في أصول الفقه .بيروت: دار الكتبي، بلا تاريخ۔
7. الشاطبي،إبراهيم بن موسى .الموافقات .تحقيق أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان. الخبر: دار ابن عفان، بلا تاريخ۔
8. القرافي،أحمد بن إدريس .الفروق: أنوار البروق في أنواء الفروق .بيروت: عالم الكتب، بلا تاريخ۔
9. ابن عابدين،محمد أمين بن عمر شرح عقود رسم المفتي .(مقامِ اشاعت اور ناشر کی تفصیل دستیاب نہیں)۔
10. هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية .المعايير الشرعية .البحرين: هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية، بلا تاريخ۔